حق خودارادیت، انسانی حقوق اور ٹریک ٹو

محمد فاروق رحمانی

ٹریک ٹو والوں کی محفل آرائیوں میں کشمیریوں کے بنیادی انسانی حقوق کی پامالیوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے۔

قومی اور بین الاقوامی سطح پر بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں، کھلے تضادات پر سیاسی فیصلے کئے جا رہے ہیں اور ایک ایسی سیاسی اچھل کود ہے کہ جس کا موازنہ جب کشمیری عوام اپنے گم گشتہ حق خودارادیت سے کرتے ہیں تو انہیں مسئلہ کشمیر ایک بھولی بسری کہانی لگتا ہے اور وہ مختلف ملکوں اور سیاست دانوں کے دعوؤں سے بےزار ہو جاتے ہیں۔

گذشتہ ایک دہائی سے عالمی سیاست کی بساط پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے لیے عبرت ناک اور چشم کشا ہے۔ پس ڈھولکی بجانے والے اپنے خول سے باہر آجائیں اور محاسبے کے لیے پیش ہو جائیں۔ گذشتہ دو دہائیوں میں کس نے کس طرح مادی طاقت حاصل کی، اس کا استعمال کیسے کیا اور حاصل ضرب کیا ہے؟۔ یہ سوالات دردمند اور سلیم الفطرت اصحاب ہی کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور کیا کہتا ہے اور بھارت کا اپنا آئین کشمیریوں کے حقوق اور ان کی خصوصی پوزیشن کے بارے میں کیا لکھتا ہے؟ یہ سب کچھ اب کشمیریوں سے چھینا جا چکا ہے۔

1999ء میں مشرقی تیمور میں بین الاقوامی نگرانی میں رائے شماری کرائی گئی اور یہ علاقہ انڈونیشیا سے الگ ہو کر ایک خود مختار ملک بن گیا۔ انڈونیشیا نے عوام کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ 2008ء میں کوسوؤ کی سیلف گورنمنٹ نے بین الاقوامی قانون کے مطابق یک طرفہ اعلان آزادی کیا جس کے خلاف سربیا نے بین الاقوامی عدالت انصاف (آئی۔ سی۔ جے) میں اعتراض کیا لیکن عدالت میں دو کے مقابلے میں دس ججوں کی اکثریت نے کوسوؤ کے اعلان آزادی کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس قسم کے اعلانات سے کسی بین الاقوامی قانون کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی ہے۔ اس سے پہلے امریکہ اور اکثر یورپی ممالک نے کوسوؤ کے اعلان آزادی کی حمایت کی تھی اور ان ممالک نے اسے ایک آزاد اور خود مختار ملک تسلیم کر لیا تھا۔ ایک بین الاقوامی وکیل جان دی وائٹ بیک نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے۔ ''یہ عدالتی فیصلہ نہ صرف کوسوؤ کے لیے جشن کا لمحہ ہے اور امریکہ، یورپ کی حکومتوں کے نکتہ نگاہ کی تصدیق کرتا ہے بلکہ Abkhazia, South Ossetia, Transniestria, Nagorno, Karabakh, Bosnia's Republika Sreska,the Turkish Republic of Northern Cuprus and Iraqi Kurdistan. کے عوام اور حکومتوں کے لیے بھی باعث مسرت ہے۔ اس فیصلے سے غیر مطمئن اقلیتوں اور علیحدگی پسندوں مثلاً Alaska, Hawaii and Vermont کی بھی حوصلہ افزائی ہو گی۔'' (عرب نیوز 26 جولائی 2010ء)۔

جنوری 2011ء میں شمالی سوڈان سے جنوبی سوڈان کی علیحدگی کے لیے امریکہ اور عالمی برادری کی منظوری سے رائے شماری کرائی گئی، جس کا نتیجہ جنوب کی مکمل آزادی اور خودمختاری کی شکل میں نکلا۔ خرطوم کی افریقی عرب حکومت نے اس کو تسلیم کرلیا اگرچہ غیرعربی بولنے والی جنوبی عیسائی آبادی کے سامنے اتحاد کو قائم رکھنے کا آپشن بھی تھا۔ سوڈان میں اب بھی عدم استحکام ہے لیکن اس ملک کے ایک اور خطے دارفور Darfur میں بھی بین الاقوامی نگرانی میں رائے شماری کروانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

ان واقعات کو مزید تقویت ''نیوامریکہ فاؤنڈیشن'' نے دی ہے۔ اس ادارے کے ایک رکن پراگ کھنہ نے خارجہ پالیسی پر ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے، جس میں مقالہ نگار نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ملکوں کی موجودہ ہیت پر اعتراض کیا ہے اور ان میں تقسیم نو کے عمل کو ناگزیر ٹھہرایا ہے۔ "Breaking Up is Good to Do" اس کا عنوان ہے۔ اس کی نگاہ میں جنگ عظیم دوم کے بعد ایشیا اور افریقہ میں جو نئے معاہدے کیے گئے اور نئے ملک وجود میں لائے گئے، ان کا ذمہ دار یورپ ہے۔ ''نیوامریکہ فاؤنڈیشن'' کی نگاہ میں ان ملکوں کی سرحدیں arbitrary and distorted ہیں اس لئے ان کو انباشتہ (Agglomeration) قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سوڈان کی مثال دی گئی جہاں اب مزید حصے بخرے کرانے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ مصنف کی نگاہ میں عرب اور افریقہ میں مختلف افریقی، عربی، مسلمان اور عیسائی گروپوں کی اتحادی ریاستیں قائم کرانا ٹھیک نہیں تھا کیونکہ بقول مصنف ان میں یگانگت کا کوئی قومی جذبہ نہیں تھا۔ دوسری طرف سے مصنف پاکستان کے پشتو بولنے والے خطے کی پاکستان میں شمولیت کو پسندیدہ نہیں سمجھتا ہے۔ اس کی نگاہ میں پختونوں کو ڈیورنڈ لائن نے پاکستان اور افغانستان میں تقسیم کردیا ہے۔

''ان سب ''غیر قدرتی'' ملکوں کو سیدھا کرنے کے لیے جوڑتوڑ کے نئے عمل کی ضرورت ہے''۔ مقالہ نگار نے اس کے لیے انگریزی لفظ (readjustmnet) استعمال کیا ہے اور تجویز پیش کی ہے کہ ''یہاں دانائی کے ساتھ وڈرو ولسن کے نظریہ حق خودارادیت سے مدد حاصل کی جائے۔ لیکن یہ صرف امریکہ کے لیے چیلنج نہیں ہے، بلکہ بارسوخ طاقتوں اور سفارت کاروں کو یہ موقع ہاتھ میں پکڑ لینا چاہیے۔ دراصل حق خودارادیت کے اصول کو دوبارہ منوانے سے ہی سچی سیاست کا چلن ہو گا، جو موجودہ عالمی بساط پر مفقود نظر آرہی ہے۔''

نیوامریکہ فاؤنڈیشن'' ہو یا امریکی مسلح افواج کا میگزین یا پھر مغربی فلسفہ تقسیم کا کوئی اور علمبردار، ناجائز اقتصادی اور فوجی مفادات کے محافظوں کا پہلا ہدف مسلمان ممالک ہیں کیونکہ بہت سارے مسلمان ممالک بیرونی طاقتوں کو شکم سیر کرتے ہوئے اپنی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ موجودہ نسلیں کہنہ ڈگر پر چلنے اور ان قوتوں کو دودھ پلانے کے لیے اب ہرگز تیار نہیں۔ نصف صدی پرانے ڈکٹیٹروں کی آنکھیں بھی اب چندھیا گئی ہیں اور نظام سلطنت میں کبڑا پن آگیا ہے، اس لیے یورپ اور امریکہ

کے دفاعی محقق چاہتے ہیں کہ دنیائے اسلام کی سرحدوں کو تبدیل کیا جائے اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر نئے مما لک قائم کیے جائیں ۔جس کسی ملک میں جمہوری انقلاب کی لہر زیادہ تیز اور ہمہ گیر ہو وہاں عوامی تحریکوں کی مخالفت کیے بغیر نئے مہروں کو تلاش کر کے ''امپیریل ورلڈ آرڈر'' کو بچایا جائے ۔لیکن قاہرہ کے تحریر چوک میں عوام کے سمندر کا دوبارہ لہریں مارنا ،مصری پرچم اور لیبیا کے پرانے پرچم کے ساتھا اور شام میں اقلیتی علوی آمریت کے ہاتھ خون مردمُ سے رنگین ہونا عربوں کی نئی سوچ، آزمائش اور نئے عزم کا رُخ دکھاتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ نیوامریکہ فاؤنڈیشن اور اس جیسے دیگر ادارے عالم اسلام کوئی ریاستوں میں تقسیم کرنے کے لیے حق خودارادیت اور رائے شماری کی باتیں تو کرتے ہیں لیکن جموں وکشمیر انہیں نظر نہیں آتا، جہاں عوام کو اپنی سیاسی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی درجن بھر قراردادیں پہلے ہی سلامتی کونسل کے سامنے ہیں جو رائے شماری کو مسئلہ کشمیر کا منصفانہ **حل** قرار دیتی ہیں۔اس کے علاوہ ہندوستان میں **1947**ء کے بعد مشرقی اور شمالی ریاستوں، نیکسلیوں اور سکھوں کی کتنی بار آزادی کی تحریکیں اٹھیں، جن کو فوجی آپریشنوں کے ذریعے سے کچلا گیا۔ بڑی طاقتیں اور ان کے تھنک ٹینک صرف مسلمان ملکوں کی آنکھوں میں تنکے ڈھونڈتے ہیں، اپنی آنکھوں میں شہتیر انہیں نظر نہیں آتے۔

جموں وکشمیر کا مسئلہ بنیادی طور پر اس ریاست کے عوام کے حق خودارادیت اور آزادی کا سوال ہے لیکن اب اس دیرینہ سوال کو رائے شماری کے مسلمہ اصول، قاعدے اور ضابطے کے تحت **حل** کرنے کے بجائے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سفر، تجارت اور ثقافت جیسے مفادات کی عینک سے دیکھا جاتا ہے۔اعتماد سازی کے یہ باہمی اقدامات اپنی جگہ، لیکن کیا کشمیریوں کو ان باتوں سے حق خودارادیت کے حصول میں کوئی مدد ملی ہے؟ دیکھا یہ گیا ہے کہ جب کبھی کشمیر میں آزادی کی تحریک کی رفتار تیز ہو جاتی ہے، اعتماد سازی کی مجلس آرائیاں بھی نمایاں کر دی جاتی ہیں اور مسئلہ کشمیر کو ایک دوطرفہ مسئلہ بنا کر کشمیریوں کے حق آزادی پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری

اس ضمن میں ٹریک ٹو اور بیک ڈور ڈپلومیسی سالہا سال سے جاری ہے۔ یہ وقتاًفوقتاً مختلف روپ دھارتی ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سرکاری سطح پر مذاکرات ابتدا سے ہی ناکام رہے ہیں کیونکہ کشمیر کی حریت پسند قیادت کی اہمیت بین الاقوامی نہ ہی ہند پاکستان سطح پر کبھی تسلیم کی گئی ۔لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان اور ہندوستان میں ایسے اصحاب پیدا ہو گئے اور ادارے وجود میں آ گئے جنہوں نے غیر سرکاری سطح پر حق خودارادیت کے سوال کو پس منظر میں لے جانے کے لیے حکومتوں اور مغربی تھنک ٹینکوں کے شانہ بشانہ کام جاری رکھا۔ پھر بھی پاکستان اور بھارت کے درمیان اعتماد سازی کا

مصنوعی فلسفہ صرف چند سیاست دانوں، بیوروکریٹوں اور تاجروں تک ہی محدود رہا لیکن کشمیر کی بنیادی سیاسی تحریک کو دھچکا پہنچانے اور تحریک آزادی میں تحریف کا راستہ نکالنے میں ان عناصر نے ملکر کام کیا۔

ٹریک ٹو دراصل سرکاری ٹریک ہی کا چربہ ہوتا ہے لیکن اس میں کام کرنے والے غیر جانبداری کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ جموں وکشمیر ایک بین الاقوامی سیاسی سوال ہے۔ ہندوستان اور کشمیری عوام کے درمیان روز اول سے حق خود ارادیت اور رائے شماری کے سوال پر کشیدگی رہی ہے۔ ہندوستان نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے ہمیشہ طاقت کا استعمال کیا اور کشمیریوں کے بنیادی انسانی اور شہری حقوق بھی سلب کرڈالے۔ 1990ء کے بعد ہندوستان سے حق خود ارادیت کے علاوہ انسانی حقوق کے احترام کے زوردار مطالبات بھی کیے جانے لگے۔ انسانی حقوق کی کئی بین الاقوامی تنظیمیں مقبوضہ ریاست کے اندر سنگین نوعیت کی ریاستی دہشت گردی، سول آبادیوں میں پولیس کریک ڈاؤن اور نظر بندی کے کالے قوانین کا نوٹس لیتی رہیں لیکن ٹریک ٹو کے علمبرداروں نے کشمیر کو ہمیشہ بھارت اور پاکستان کا دوطرفہ مسئلہ قرار دیا اور ابتدا سے انکی تمام تر سرگرمیوں کا محور ٹرانس ایل او سی، تجارت اور نام نہاد پیپل ٹو پیپل کنٹیکٹ رہا۔ حق خود ارادیت کے بعد جو دوسرا سنگین مسئلہ کشمیریوں کو درپیش ہے، اس کے لیے ان کے دل پتھر کے ہیں اور زبانیں گونگی ہیں۔ گویا ٹریک ٹو اور بیک ڈور والے حضرات کوئی ایسا چلہ نکال کر آئے ہیں جس میں وہ انسانی جذبات واحساسات، درد وغم، آہ وبکا اور ٹیس سے کورے ہوگئے ہیں اور انسانیت کی قبا تار تار کرنے اور انسانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنے میں مصروف ہوگئے ہیں۔

وہ سوز وگداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگلنا چھوڑ دیا
ہر گام پہ چند آنکھیں نگران ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

بھارت اور پاکستان کے بعض ماہرین اور رائے عامہ بنانے والوں کے درمیان گذشتہ کئی دہائیوں سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر وقتاً فوقتاً میٹنگیں ہوتی رہی ہیں، جن میں دونوں ملکوں کے درمیان نفرت اور بد اعتمادی کی فضا ختم کرنے کے لیے غور وفکر ہوتا رہا۔ اس سلسلے میں چند ایک کا حوالہ بہتر رہے گا۔ پگواش کانفرنس امریکہ نے کئی سال تک مختلف ملکوں میں بھارت پاکستان اور جموں وکشمیر کے سیاست دانوں اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ تبادلہ خیال جاری رکھا۔ 2010ء میں 28 سے 30 اگست تک بنکاک میں بھارت اور پاکستان ٹریک ٹو ڈائیلاگ کا ایک دور ہوا تھا جس میں پاکستانی وفد کی قیادت ایک سابق وفاقی وزیر شیری رحمان اور ہندوستانی وفد کی قیادت ایک ریٹائرڈ فوجی جنرل دیپنکار بینرجی نے کی تھی۔ اس ڈائیلاگ کو پاکستان کی ایک نئی تھنک ٹینک جناح انسٹی ٹیوٹ اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پیس اینڈ کنفلکٹ سٹڈیز

نے مشترکہ طور پر منظم کیا تھا۔ 2 ستمبر کو ایک مشترکہ بیان میں اس ڈائیلاگ کے شرکا نے پاکستان اور بھارت کی حکومتوں پر زور دیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کا **حل** نکالنے کے لیے جموں وکشمیر کے تمام خطوں کے نمائندوں کے درمیان بات چیت کی حوصلہ افزائی کریں۔ میٹنگ میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ دونوں ملک دہشت گردوں کو قانونی شکنجے میں لانے کے لیے آپس میں تعاون کریں، ایک دوسرے کی سالمیت اور سرداری کا احترام کریں اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے پرہیز کریں۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان ٹریک ٹو ڈائیلاگ کا چھٹا دور 27 اور 28 جنوری 2011 کو ہوا۔ یہ دور بھی بنکاک میں ہوا۔ پاکستان کی طرف سے جو لوگ اس مکالمے میں شریک ہوئے ان کے نام یہ ہیں شیری رحمان، عزیز احمد خان، جنرل (ر) جہانگر کرامت، نسیم زہرا، ڈاکٹر رفعت حسین پروفیسر قائد اعظم یونیورسٹی، ہمایوں خان سابق سیکرٹری خارجہ اور شہزاد چوہدری سابق ڈی جی ایئر فورس۔ ہندوستان کی طرف سے شرکا کے نام یہ ہیں میجر جنرل (ر) دیپن کار بینر جی، پروفیسر امیتابھ متو جواہر لال نہرو یونیورسٹی، اے ایس دات سابق ڈائریکٹر را، ایڈمرل (ر) راجہ مینن قومی سلامتی، جی پارتھا سارتھی سابق سفیر پاکستان اور سدھارتھ وار راجن اخبار ہندو کے دفاعی امور کا ڈیٹر۔ اس بار وفود کے درمیان بحالی اعتماد کے اقدامات پر زور دیا گیا۔ پاکستان اور بھارت کی حکومتوں سے کہا گیا کہ وہ باہمی مذاکرات میں جموں وکشمیر کے سوال کو شامل کرلیں اور اپنی بات چیت کو بیک چینل رابطوں سے تقویت دیں۔ دونوں وفود کے مشترکہ بیان میں ایک طرف سے پاکستان نے سمجھوتہ ایکسپریس کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا اور دوسری طرف سے بھارت نے سانحہ ممبئی کے مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ مشترکہ بیان میں انتہا پسندی کو دونوں ملکوں کے لیے خطرناک چیلنج قرار دیا گیا اور اس ضمن میں ریاستی اداروں کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ اعلامیہ میں دونوں ملکوں کی خفیہ ایجنسیوں کے درمیان رابطے استوار کرنے اور معلومات کا تبادلہ کرنے پر زور دیا گیا۔ بحث ومباحثے اور مشترکہ بیان میں جس بات کو اولین اہمیت دی گئی ہے وہ یہ کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان دوستی اور مفاہمت کی فضا استوار کرنے کے لیے طرفین متفق ہیں کہ سرحدوں کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا لیکن انہیں غیر موثر (Irrelevant) بنایا جاسکتا ہے۔

حیرت اور حسرت ہے کہ جموں وکشمیر کے مستقبل کا سوال اور حق خود ارادیت کے حصول کے لیے کشمیریوں کی انسانی خون سے رنگین طویل جدوجہد کا کوئی عکس ہمیں ٹریک ٹو ڈائیلاگ کے کسی دور میں بھی دکھائی نہیں دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بین الاقوامی حق کا دائرہ محروم ومحکوم کشمیریوں تک وسیع نہیں ہونا چاہیے اور یہ حق حکومتوں کی مرضی ومنشا کا اسیر ہے۔ حق خود ارادیت کے بعد جو دوسرا اہم سوال کشمیریوں کی روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے وہ انسانی حقوق کی بحالی اور احترام کا ہے۔ ہندوستان کے قاہرانہ نظام حکومت میں کشمیریوں کی زندگی کا یہ اہم پہلو بھی خطرناک حد تک پامال ہے جس کو ایمنسٹی انٹرنیشنل

نے شرح وبسط کے ساتھ اپنی حالیہ رپورٹ میں شائع کیا ہے ۔ٹریک ٹو ڈائیلاگ کے مشترکہ بیان میں اس کو بھی حسب سابق نظرانداز کیا گیا ہے ۔

مارچ 2011 میں ''امن آشا'' کے نام پر اسلام آباد اور کراچی میں ٹریک ٹو کی تحریک کی آبیاری کرنے کے لیے دو اجتماعات منعقد کئے گئے جن میں پاکستان اور ہندوستان کے دانشوروں ، سیاست دانوں اور بیوروکریٹوں نے حصہ لیا۔ ہندوستان سے آئے ہوئے نمائندوں نے مقبوضہ کشمیر کے رہنماؤں سے ملاقات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ان کانفرنسوں میں بھی مسئلہ حق خودارادیت اور مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کے سنگین سوال پر خاموشی اختیار کی گئی لیکن کنٹرول لائن کے دونوں طرف تجارت، سفر اور عوامی رابطوں(People to people contact)پر توجہ مرکوز رکھی گئی ۔''امن آشا'' کانفرنس میں بھی سرحدوں میں ردوبدل کو خارج از بحث قرار دیا گیا لیکن سافٹ بارڈر اور غیر موثر سرحد کی وکالت کی گئی ۔

سرحدوں کو سافٹ بنانے اور ان میں کسی قسم کے ردوبدل کو خارج از بحث قرار دینے کی باتیں گذشتہ دس برس سے بار بار دھرائی جاتی ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ بحیثیت کشمیری ہمارا موقف دھندلا نہ رہے بلکہ صاف اور واضح ہو جائے ۔اولاً ہم ہندوستان یا پاکستان کی سالمیت اور سرداری کے قطعاً خلاف نہیں ہیں ۔ہم مسئلہ کشمیر کے حل کو ان دونوں ملکوں کی سرحدوں سے نہیں جوڑتے ہیں۔ ہندوستان کشمیریوں کے بنیادی حقوق غصب کرنے کے لیے اس مسئلے کو ایک سرحدی مسئلہ بنانے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے ۔کشمیر کا مسئلہ سرحدی حدود کا تنازعہ نہیں ہے ۔دوم ریاست جموں وکشمیر ایک اکائی ہے جس کے تین خطے ہیں ۔1947ء میں بھارت اور پاکستان کی آزادی کے موقع پر اس ریاست کے عوام کے مستقبل کا سوال رائے شماری کے ساتھ طے ہونا قرار پایا تھا۔ جو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے باوجود تا حال نہیں ہوئی ۔اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں میں دونوں متحارب ملکوں سے کہا گیا تھا کہ وہ جنگ بند کریں،فوجی مداخلت ختم کریں،عوام کے لیے ایک پر امن فضا پیدا کریں اور ساری ریاست میں رائے شماری کرانے کے لیے اقوام متحدہ کے ساتھ تعاون کریں ۔

بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ بند ہوجانے کے نتیجے میں جنگ بندی لائن تو وجود میں آ گئی لیکن قرارداد میں رائے شماری کی شق آج تک نافذ نہیں کی گئی ۔ 1972ء میں دونوں ملکوں نے شملہ معاہدہ کیا جس کے بعد جموں وکشمیر کی سیز فائر لائن کا نام لائن آف کنٹرول رکھ دیا گیا لیکن یہ لائن ہرگز بھارت اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحد نہیں بنی ۔یہ ایک لکیر ہے جس کی پوری تاریخ اس کی ناپائیداری اور غیر یقینیت کی غماز ہے ۔اس جبری لکیر کے حق میں کوئی بین الاقوامی قانون موجود نہیں ہے ۔نام نہاد لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد کا درجہ دینا یا اس کو ختم کر کے ریاست کی 1947ء سے پہلے کی حیثیت بحال کرنا صرف کشمیریوں کی آزاد مرضی سے ہی ہوسکتا ہے بشرطیکہ بین الاقوامی برادری اس قسم کے تاریخی فیصلے کے لیے کشمیریوں کے ساتھ کھڑی ہوجائے اور ہندوستان، پاکستان کشادہ ذہنی کا مظاہرہ کریں ۔

ہندوستان کہتا ہے کہ وہ سرحدوں کی تبدیلی نہیں چاہتا وہ سافٹ بارڈر کا حل مانے گا۔ ہم بھی ہندوستان کی سرحدوں کے خلاف نہیں ہیں لیکن ہندوستان کی تاویل خودغرضانہ ہے۔ وہ کشمیر پر قابض رہنا چاہتا ہے، اسی لیے وہ جموں وکشمیر کی فوجی لکیر کو اپنی سرحد تصور کرتا ہے۔

ٹریک ٹو ڈپلومیسی کے علمبرداروں، بیک ڈور چینل چلانے والوں اور امن آشا کے پاکستانی وہندوستانی سفیروں کو کشمیریوں کی امنگوں کا احترام کرنا چاہیے۔ انہیں اس بات کا ادراک کرنا چاہیے کہ کشمیری ہندوستان کے زیر تسلط نہیں رہنا چاہتے، بلکہ حق خود ارادیت کے ذریعے سے آزاد ہونا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں ہندوستان کے ساتھ رہنے کا تلخ تجربہ ہے۔ یہ تمام داخلی اور خارجی، سرکاری ونیم سرکاری دانشور، صحافی اور سیاست دان کیوں ایسی بات کشمیریوں پر ٹھونسنے کے لیے لابنگ کرتے ہیں جو وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے اور جو عدل کے معیار کے خلاف ہے۔ وہ نوآبادی راج کے حکمرانوں اور تاجرانہ ذہنیت رکھنے والے عالمی شعبدہ بازوں کی روش پر چلنا چھوڑ دیں۔ سب سے احسن بات یہ کہ وہ انسانیت اور دانشوری کے اصولوں کے مطابق حق خود ارادیت کی تحریک کا ساتھ دیں اور ہندوستان کو اس بات پر آمادہ کریں کہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کشمیریوں کو حق خود ارادیت دیا جائے۔

نوٹ: مقالہ نگار جموں وکشمیر پیپلز فریڈم لیگ کے چیئرمین اور کل جماعتی حریت کانفرنس آزاد کشمیر کے سابق کنوینر ہیں۔
رائٹرز بلاگ: http://farooqrehmani.wordpress.com